© rasailojaraid.com

مولانا ابوریحان عبدالغفور

جانشینِ امیرِ شریعت سے وابستہ چند یادیں

ایک ملاقات میں برادر محترم سید محمد کفیل بخاری کو میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی کی چند باتیں سنائیں۔ ان میں کوئی بات بھی ''نقیب'' میں شائع ہونے کے قابل نہ تھی لیکن پتہ نہیں پھر بھی وہ میرے سر کیوں ہوگئے کہ انکو ''نقیب'' کے لئے قلم بند کردو۔ ان کے حکم کی تعمیل میں مقصوداً ان میں سے صرف وہ باتیں، قارئینِ ''نقیب'' کی خدمت میں پیش ہیں جو جانشینِ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری مرحوم و مغفور سے متعلق ہیں۔

۱۔ جانشینِ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی زیارت مجھے اس وقت ہوئی جب میں ''مدرسہ خدام القرآن''، میرے شاہ، تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خاں میں اپنی تعلیم کے بالکل ابتدائی مراحل طے کررہا تھا۔ یہ مدرسہ اگرچہ شہری آبادی سے کئی میل دور خالص دیہاتی آبادی میں تھا۔ وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ آبکی سڑک ایک طرف سے چھے میل اور دوسری طرف سے تین میل دور تھی، اس پر بھی موٹر لاری اکادکا ہی چلا کرتی تھی۔ وہاں سے زیادہ تر پیدل ہی مدرسہ پہنچنا ہوتا تھا۔ یا پھر صادق آباد شہر سے سالم تانگہ مدرسہ کیلئے کروانا ہوتا تھا۔ لوگوں میں مشہور تھا کہ مکہ و مدینہ جانا آسان ہے، مدرسہ مرے شاہ پہنچنا مشکل ہے۔ لیکن اس کے باوجود مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فاضل دیوبند و تلمیذ شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ کے اخلاص اور انتھک شبانہ روز محنت اور طلبہ خصوصاً چھوٹی عمر کے طلبہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق ان کی خاص مجتہدانہ مہارت و مساعی کی وجہ سے اسکی شہرت، کراچی تا پشاور صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک تک پہنچی ہوئی تھی۔ مکہ و مدینہ کے دو طالب علم تو خود میرے ہم درس تھے۔ حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر اور کچھ مدرسہ کی شہرت کے پیش نظر آئے دن عالم اسلام کی مایہ ناز اور عظیم شخصیات مدرسہ تشریف لاتی رہتی تھیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف (حضرت جی، امیر تبلیغی جماعت) حضرت مولانا عبدالغفور مدنی، حضرت مولانا محمد صادق (۱) مہتمم مظہر العلوم کھڈہ کراچی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا عبدالملک مدنی، حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، حضرت مولانا حامد میاں (رحمہم اللہ) اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، جیسے بزرگوں کی سب سے پہلے زیارت مجھے وہیں نصیب ہوئی۔ شیخ الاسلام مدنی، امام الہند ابوالکلام آزاد، اور امیر شریعت (رحمہم اللہ) کی وفات کی خبریں بھی وہیں سنیں۔ ایوب خاں کا

۱۔ غالباً یہی نام تھا۔ بہت ہی اللہ والے بزرگ تھے۔ اس دور میں جتنے بھی بزرگوں کی زیارت مجھے نصیب ہوئی ان سب سے زیادہ میرے دل پر انہی کی شخصیت کا اثر ہوا۔ شاید اس لئے کہ چند گھنٹے ان کی صحبت اور صادق آباد شہر سے مدرسہ تک سفر میں ان کی معیت نصیب ہوگئی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارشلاء بھی وہیں دیکھا۔ احرار کی لال جیپ مع لاؤڈ سپیکر وہیں دیکھی۔

سن و سال تو یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ میں قرآن مجید حفظ کر رہا تھا۔ عمر چھوٹی ہی تھی۔ سخت بخار میں مبتلا تھا۔ اپنے جھونپڑے نما کچے کمرے میں (جسکو وہاں کی زبان میں اسوقت "سال" کہا جاتا تھا۔ اب تو شاید وہاں کے لوگ بھی اس سے نا آشنا ہو گئے ہوں گے) لیٹا ہوا تھا کہ باہر لاؤڈ سپیکر پر کسی کے کچھ پڑھنے کی آواز کان میں پڑی۔ اس وقت تک مدرسہ میں کیا آس پاس ساری آبادی میں بجلی اور لاؤڈ سپیکر کا کوئی نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس لئے ایسی آواز پر بچے تو بچے بڑے بھی اسکو ایک عجیب چیز سمجھ کر تماشا دیکھنے گھروں سے باہر آ جایا کرتے تھے۔ میں بھی اسی حالت میں اپنی "سال" سے باہر نکل آیا تاکہ دیکھوں آواز کیا ہے اور کہاں سے آ رہی ہے۔ دیکھا تو سامنے کیکر کے درخت کے نیچے ایک سرخ رنگ کی جیپ کھڑی تھی، اسی پر سپیکر لگا ہوا تھا۔ پڑھنے والا پنجابی زبان میں کچھ اشعار پڑھ رہا تھا۔ اور تو کچھ یاد نہیں صرف یہ یاد ہے کہ وہ کچھ اس قسم کے بول بول رہا تھا۔

"خواجہ، چھڈ ظفر اللہ نوں باز آ جا"

بعد میں جب ہوش سنبھالا تو اندازہ ہوا کہ یہ خواجہ ناظم الدین کا زمانہ تھا اور اس سے قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ آنجہانی کی برطرفی کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ واللہ اعلم۔

صرف دینی شخصیات ہی مدرسہ میں نہ آتی تھیں بلکہ دنیوی اعتبار سے بڑی بڑی قدآور ہستیاں بھی آیا کرتی تھیں۔ جن میں سے اب صرف مخدوم غلام میراں شاہ مرحوم ہی یاد رہ گئے ہیں۔ یہ اپنے علاقے کے رئیسِ اعظم تھے۔ بادشاہوں اور نوابوں کا سا ٹھاٹھ باٹھ تھا۔ "جمال الدین" نامی، شہر میں قلعہ نما ان کے محلات تو میں نے بھی دیکھے تھے۔ یہ اپنے علاقہ کے جہاں رئیس تھے وہاں پیر بھی تھے۔ بڑا انکا رعب اور دبدبہ تھا۔ اکابر دیوبند سے اسی طرح بدگمان تھے جس طرح سن سنا کر دوسرے لوگ۔ ہمارے مہتمم صاحب کی اللہ قبر منور کرے، ان پر حضرت مدنی کا ایسا رنگ چڑھا ہوا تھا کہ کسی بڑے سے بڑے دنیادار سے وہ قطعاً مرعوب نہ ہوتے تھے۔ وہ مخدوم صاحب کو بھی اختلافِ مذاق کے باوجود مدرسہ لے آئے تھے۔ مدرسہ میں تو ان کی صرف زیارت ہی یاد ہے۔ ویسے حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے ان سے اپنی ایک ملاقات کا واقعہ طلبہ کے عام مجمع میں سنایا تھا۔ فرماتے تھے میں ایک دفعہ مخدم صاحب کے ہاں گیا۔ ان کے ساتھ چل رہا تھا کہ پھولوں کی کیاری یا گملے کے پاس سے گزر ہوا۔ فرماتے تھے میں نے پھول دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا۔

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمس نہار

مخدوم صاحب شعر سن کر پھڑک اٹھے۔ پوچھنے لگے یہ کس نے کہا ہے؟ استادِ محترم حضرت مہتمم صاحب مرحوم فرماتے تھے میں نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ وہ اس شعر سے بہت زیادہ متأثر ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد ہی وہ مدرسہ تشریف لائے تھے۔ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکابر دیوبند سے ان کی بدظنی ختم یا کم ہو گئی تھی۔ اس طرح حضرت مہتمم صاحب نے وہاں توحید کا نور پھیلایا اور اکابر دیوبند کو وہاں روشناس کرایا۔ جبکہ اس سے پہلے وہ علاقہ شرک کا گڑھ اور مشرک پیروں کا مرکز تھا۔ ہم نے تو اس کی وہ حالت دیکھی ہے۔ قارئین بھی اس ایک واقعہ سے اسکا اندازہ لگائیں۔ حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے ہی ہمیں یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، تقریر کیلئے اس علاقہ کے "کچا بھٹہ" نامی ایک گاؤں میں تشریف لائے۔ تقریر کا اعلان ہوا تو پیروں فقیروں نے اپنے چیلوں کو بھڑکایا کہ یہ وہابی آرہا ہے اس کی تقریر یہاں نہیں ہونی چاہئیے۔ لوگ ڈنڈے سوٹے اور کلہاڑیاں (کلہاڑی ہی اس دور میں اس علاقہ کی کلاشنکوف ہوتی تھی) لیکر گاؤں سے باہر آ گئے کہ وہابی کو یہاں نہیں آنے دیں گے۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم تشریف لائے۔ لوگوں نے مزاحمت کی کہ تم وہابی ہو۔ ہم تمہیں یہاں تقریر نہ کرنے دیں گے۔ حضرت امیر شریعت مرحوم نے فرمایا۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں وہابی ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے بتایا ہے۔ فرمایا قرآن کہتا ہے جب تمہیں کوئی بات کسی کے بارے میں پہنچے تو اسکی تحقیق کرلیا کرو۔ سورۂ حجرات کی آیت......یاایہا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا......... آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا تم پر لازم ہے کہ میرے بارے میں تحقیق کرو۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ میں تقریر کرتا ہوں، تم سنو۔ اگر میں وہابی نکلا تو میں خود ہی چلا جاؤں گا، تقریر نہیں کرونگا۔ لوگ اپنے ڈنڈے سونٹے اور کلہاڑیاں رکھ کر وہیں بیٹھ گئے کہ بات معقول ہے۔ آپ تقریر کریں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ وہابی ہیں یا کون؟ پھر کیا تھا؟ بلبل نے ریاضِ رسول میں چہکنا شروع کیا تو فضاء مسحور ہو گئی۔ لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ڈنڈے سونٹے سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ کلہاڑیاں سب کند ہو گئیں۔ بخاری، توحید کے نغمے سناتا رہا اور لوگ بے خود و بے سدھ سنتے رہے، جب شاہ جی رحمہ اللہ نے "وآخر دعوانا" کہا تو جو لوگ ڈنڈے سونٹے اور کلہاڑیاں لے کر آئے تھے انہی کا اصرار تھا کہ "کچھ اور" حضرت شاہ جی [redacted] فرماتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ "اور، پھر کبھی۔"

الغرض مدرسہ میں آئے دن ایسی شخصیات آتی رہتی تھیں۔ ایسے موقع پر کچھ تو آنے والوں کے اعزاز میں اور کچھ مدرسہ کے تعارف کیلئے مدرسہ کی مسجد میں طلبہ و اساتذہ کی ایک مجلس منعقد ہوتی، جس میں طلبہ اپنا پڑھا لکھا، آنے والے معزز مہمانوں کو سناتے اور گرامی قدر مہمان، طلبہ کو اپنے مواعظ و ملفوظات سے مستفید کرتے۔ ایسی ہی ایک مجلس کیلئے ایک دفعہ ہم مسجد پہنچے تو مہمانوں میں ایک نہایت ہی حسین و جمیل بالکل سیاہ ڈاڑھی والے ایک نوجوان کو بھی دیکھا۔ ان سے قرآن سنانے کی فرمائش کی گئی۔ انہوں نے سورۂ فرقان کا آخری رکوع......تبارک الذی جعل فی السماء برو جا......... تلاوت فرمایا۔ اس واقعہ کو آج تقریباً چالیس سال ہونے کو ہیں، اسکی حلاوت و لذت، باوجودیکہ میں اسوقت بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ دورانِ تلاوت ہی اپنے دائیں بائیں بیٹھے بعض بڑے طلبہ سے پوچھا کہ یہ قاری صاحب کون ہیں؟ پتہ چلا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بڑے فرزند ارجمند مولانا سید عطاء المنعم صاحب ہیں۔ یہ ان کی سب سے پہلی زیارت تھی جو مجھے نصیب ہوئی اور چونکہ اس وقت میں بچوں کی صف کا طالبعلم تھا اس لئے مسجد میں آتے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر جاتے میں بس ان کی زیارت ہی نصیب ہوئی۔ اس سے زائد آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کا نہ شعور تھا نہ اہلیت اور نہ اجازت تھی۔

آگے بڑھنے سے پہلے مدرسہ کی ان مجلسوں کی مناسبت سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے قارئین کو ایک قصہ اور بھی سناتا جاؤں۔

مدرسہ میں غالباً ڈیرہ غازی خاں کی طرف سے سرائیکی زبان کے ایک بوڑھے شاعر آیا کرتے تھے۔ اصل نام تو انکا پتہ نہیں کیا تھا۔ پکارے "شیرن خاں" کے نام سے جاتے تھے۔ شاید اصل نام شیر محمد ہوگا۔ جب وہ مدرسہ آتے تو حضرت مہتمم صاحب، مسجد میں اساتذہ و طلبہ کو اس سے اشعار ضرور سنواتے۔ وہ اشعار ایسے پڑھتے جیسے کوئی حافظ، منزل پڑھتا ہے۔ اساتذہ اور بڑے طلبہ تو اس کے اشعار سے مستفید ہوتے ہوں گے ہم چھوٹے بچے تو بس ان کی بے ساختگی، روانی، ان کے زیر و بم، اتار چڑھاؤ، نیز سر، آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں اور زاویوں سے ہی محظوظ ہوتے تھے۔ سادے اتنے تھے کہ ادھر پوری رفتار سے اشعار پر اشعار پڑھتے جاتے ادھر اسی رفتار سے اپنا تہبند بھی کستے، اوپر چڑھاتے اور سنبھالتے رہتے، ہنساتے بھی اور رلاتے بھی۔ ان کے اشعار یاد نہیں ان کی ادائیں یاد ہیں، ایک شعر جو وہ خود بھی تقریباً ہر دفعہ سنایا کرتے تھے اور حضرت مہتمم صاحب بھی بار بار ہم کو نصیحت کرتے وقت، پڑھا کرتے تھے، البتہ یاد ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔

سخن والی تلوار مرے ساں پھٹ حیا کوں تھی سی

بے حیا ایہہ گالہیں سن سن پیا اکڑی سی

یعنی بات والی تلوار ماروںگا، حیا والے کو زخم لگے گا۔ بے حیا یہ باتیں سن سن کے اوراکڑے گا۔

"پیا اکڑی سی" کو پڑھتے وقت وہ خود اسکا عملی نمونہ بھی ایسے انداز سے پیش کرتے یعنی ایسے انداز سے اکڑتے کہ آج بھی ان کی اس اداکاری کا تصور کرتا ہوں تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے۔

جن دنوں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی انہی دنوں میں اتفاق سے شیرن خاں بھی مدرسہ میں آدھمکے۔ حسب معمول اشعار سننے سنانے کی مجلس منعقد ہوئی۔ انہوں نے جہاں خاص اپنی سرائیکی کے اشعار سنائے وہاں حضرت شاہ جی کی وفات کی مناسبت سے چند اشعار اردو میں بھی سنائے جن میں ایک جگہ حضرت شاہ جی مرحوم کی وفات کا بھی ذکر تھا۔ میرے وہ سال مدرسہ میں آخری سال تھے کچھ کچھ باتیں سمجھنے لگ گیا تھا۔ ان کے وہ اشعار یاد تو نہیں لیکن مجلس برخاست ہونے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر اپنے حافظہ کی مدد سے میں نے ان میں سے چند اشعار لکھ لئے تھے۔ اسکی ضمانت قطعاً نہیں کہ میں نے وہ اشعار صحیح لکھے تھے۔ بیاض میں صحیح، غلط جیسے بھی لکھے ہوئے ہیں قارئین کی ضیافت طبع کے لئے ان میں سے چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں، حضرت شاہ جی کا نام تو شیرن خاں نے یقیناً لیا تھا یہ تو اچھی طرح یاد ہے لیکن کہاں اور کس طرح لیا تھا یہ یاد نہیں رہا۔ شیرن خاں نے اپنی منزل یوں پڑھی تھی۔

© rasailojaraid.com

آ کر جہاں میں لاکھ تونگر گزر گئے صدہا مالدار و گداگر گزر گئے

© rasailojaraid.com

پیغمبر اصل زندہ تو ظاہر گزر گئے — لافتاح تھا حیدر گزر گئے
سہراب، سام و رستم سے زور آور گزر گئے — جالینوس و لقمان سے برتر گزر گئے
جمشید شاہ دارا سکندر گزر گئے — ہمایوں شاہ بابر اکبر گزر گئے
شاہجہاں، جہانگیر، نادر گزر گئے — سامانِ عشق ساقی و ساغر گزر گئے
سعدی نظامی جامی سے شاعر گزر گئے — مالکِ زمین و مکاں، مسافر گزر گئے
پوچھو نہ کیونکر آئے کیونکر گزر گئے — آئے جو اس جہاں میں آخر گزر گئے

اسی وزن پر کہیں انہوں نے یہ بھی پڑھا تھا کہ ''سید عطاء اللہ بخاری گزر گئے''۔ جس طرح میری بیاض میں لکھے ہوئے تھے جوں کے توں نقل کر دیئے ہیں۔ شعروشاعری کا مجھے نہ ذوق ہے نہ شعور، اس لئے ان کی نوک پلک کے نہ غلط ہونے کا پتہ ہے نہ صحیح کرنے کا طریقہ ہی آتا ہے۔ اگر کہیں غلطی ہو اور یقیناً ایک نہیں بہت غلطیاں ہوں گی وہ میری عقل اور نقل کا قصور ہے۔ شیرن خاں بہر حال بہت منجھا ہوا، زندہ دل اور مرنجان مرنج شاعر ہی تھا۔ (حضرت امیر شریعت، شیرن خاں کو سرائیکی کا فردوسی کہا کرتے تھے)

۲۔ دوسری بار جانشین امیر شریعت کی زیارت، ملتان میں ہوئی۔ حضرت امیرِ شریعت کے دولت خانہ پر وہاں تک پہنچنے کا قصہ یہ ہے کہ میرے ایک استاد ہیں حضرت مولانا قاری فریدالدین صاحب مدظلہ، ملتان کے علاقہ کے حافظ محمد رفیع صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد مطیع صاحب، ان کے شاگرد تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے ایک تیسرے بھائی تھے جو ان دونوں سے بڑے تھے (انکا نام اب ذہن سے اتر گیا ہے) وہ ملتان کی ایک مسجد میں خطیب اور اسی سے ملحق ایک مکتب کے مہتمم تھے۔ مسجد کا نام اب یاد نہیں رہا اتنا یاد ہے کہ مغلیہ طرز تعمیر کی تین گنبدوں والی مسجد تھی۔ اس کے آس پاس نرسریاں ہوتی تھیں اور کچھ فاصلے پر فوجی مشقی پریڈ گراؤنڈ ہوتا تھا۔ شہر سے کسی قدر کٹی ہوئی تھی۔ حافظ محمد رفیع اور مولوی محمد مطیع صاحبان ایک سال استاد محترم کو رمضان میں قرآن مجید سنانے یعنی تراویح پڑھانے کیلئے اپنے بڑے بھائی صاحب کی اس مسجد میں لے آئے۔ استاد محترم نے بطور سامع مجھے اپنی معیت کی سعادت بخشی۔ ملتان میں قیام کے دوران قرآن مجید سننے سنانے کے علاوہ بزرگوں کی زیارت کے پروگرام بھی بنتے رہتے تھے۔ ایک دن حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی زیارت کا پروگرام ٹھہرا۔ مولوی محمد مطیع صاحب ہمارے رہبر تھے، بخاری دربار میں پہنچے، دستک دینے پر بیٹھک کا دروازہ کھلا تو بالکل سامنے ہی ایک لحیم شحیم بھاری بھر کم ملنگ نما ہستی تشریف فرما نظر آئی۔ ہاتھ کی انگلیوں میں انگوٹھیاں اور زلفوں کی کندھوں سے اٹھکیلیاں، میرے ذہن میں حضرت امیر شریعت کی شکل وصورت کا جو خاکہ تھا یہ ملنگ صاحب چونکہ اس پر فٹ نہ آرہے تھے اس لئے میں نے دروازے میں قدم رکھتے ہی مولوی محمد مطیع صاحب سے سرگوشی کے انداز میں بڑی حیرت واستعجاب سے پوچھا ''کیا عطاء اللہ شاہ بخاری یہ ہیں؟'' انہوں نے مجھے کہا ''چپ رہو، شاہ صاحب یہ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔" ان ملنگ صاحب کو جانتے وہ بھی نہ تھے۔ تھوڑی دیر میں حضرت شاہ جی رحمہ اللہ اندر سے تشریف لائے۔ ہم نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ چونکہ بیمار تھے اس لئے ہم سے معذرت کر کے چارپائی پر لیٹ گئے۔ پاؤں حضرت شاہ صاحب کے دروازے کی طرف تھے اور چہرۂ انور، ان ملنگ صاحب کی طرف۔ جب ان دونوں بزرگوں کی آپس میں گفتگو شروع ہوئی تو راز کھلا کہ یہ صاحب جن کو میں ملنگ سمجھے بیٹھا تھا ملنگ نہیں ہیں بلکہ حضرت شاہ جی کے رزم و بزم کے پرانے ساتھی، برصغیر کے مایہ ناز شاعر، قافلۂ حریت کے ایک جاں باز و جاں نثار سپاہی، آزادیٔ ہند کے ایک ممتاز حُدی خواں جناب علامہ انور صابری ہیں جو انڈیا سے شاہ جی کو ملنے آئے ہیں، جہاں شاہ جی اپنی تقریروں کا جادو جگایا کرتے تھے وہاں یہ اپنے اشعار سے مجمعوں کو گرمایا کرتے تھے۔ انکا نام چونکہ میں نے پہلے سنا ہوا تھا۔ بلکہ ان کی آواز اور لب و لہجہ سے بھی کسی قدر آشنا تھا اس لئے شاہ جی کے ساتھ ان کی زیارت بھی ہو کر ہماری خوشی دوچند ہو گئی۔

ان کے نام سے تو اس طرح واقف تھا کہ ان کی "بھول گئے" قافیے والی نظم کئی بار سن چکا تھا۔ بلکہ اس کے اکثر اشعار یاد تھے اور بڑے مزے لے لے کر میں پڑھا کرتا تھا۔ صادق آباد کے ایک مستری محمد صدیق صاحب احراری (۲) ہوتے تھے، وہ میرے والد صاحب کے اور ان کے بیٹے خود میرے دوست ہوتے تھے۔ یہ مستری صاحب، نعت خوانی بھی کیا کرتے تھے۔ مدرسہ میرے شاہ میں انکا اکثر آنا جانا رہتا تھا، کبھی طلبہ کی فرمائش پر اور کبھی عام جلسوں مجمعوں میں یہ شعراء کا کلام سناتے رہتے تھے اور بڑی خوش آوازی سے پڑھتے تھے۔ ان سے ہی کئی دفعہ انور صابری کا یہ کلام بھی سنا تھا۔ انہی سے بار بار سن کر کچھ یاد بھی ہو گیا تھا اور اپنی یاد سے ہی اس کے کافی اشعار اپنی بیاض میں لکھ بھی لئے تھے جن میں سے' چند الٹے سیدھے بیاض کے مطابق پیشِ خدمت ہیں۔

۲۔ ان مستری صاحب کو حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کی خدمت کا موقع بھی ملا تھا۔ ان سے اچھی خاصی علیک سلیک تھی۔ اب وفات پا گئے ہیں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے۔ وفات سے چند سال پہلے اسلام آباد تشریف لائے۔ ملاقات پر مجھے ذاتی طور پر پیش آمدہ ایک واقعہ کی مناسبت سے اپنا واقعہ سنایا کہ "میں ایک دفعہ حضرت شاہ جی کے پاؤں دبا رہا تھا۔ تنہائی تھی۔ تیسرا کوئی آدمی نہ تھا۔ میں نے عرض کی: حضرت! میرا ایک ماموں ہے، بہت ہی نیک، صوم و صلوٰۃ کا پابند۔ تہجد گزار اور تلاوت قرآن شعار۔ لیکن مالی اعتبار سے وہ ہر وقت قابلِ رحم ہی رہتا ہے۔ فرمایا: محمد صدیق! اسکو کوئی علت ہو گی۔ میں نے کہا: حضرت! علت تو کوئی بھی نہیں۔ نہ تمباکو نہ سگریٹ، نہ حقہ نہ نسوار، نہ سینما نہ جوا، نہ کچھ اور بہت نیک انسان ہے: فرمایا! نہیں محمد صدیق! کوئی علت ہو گی۔ ورنہ ایسے نیک آدمی مالی اعتبار سے اتنے قابلِ رحم نہیں ہوا کرتے۔ میں نے پھر کہا کہ حضرت! علت تو کوئی بھی نہیں۔ فرمایا! نہیں کوئی علت ہو گی۔ پھر میں نے بتایا کہ حضرت! علت تو کوئی نہیں۔ بس "کیمیا گری" کرتے ہیں۔ فرمایا! محمد صدیق! اس سے بڑی اور علت کیا ہو گی؟ یہی تو سب سے بڑی علت ہے۔ مال و دولت کی تباہی و بربادی کی"...... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے والد ماجد مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمہ اللہ نے کہیں لکھا ہے کہ دنیا میں کیمیا گری کی تو بہتوں نے ہے لیکن آج تک کامیاب اس میں کوئی ایک بھی نہیں ہوا۔ یہ ایسی لت ہے کہ جسکو لگ جائے اس کا سب کچھ لٹا کر بھی نہ چھوٹے۔ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا "خالد" شاید دنیا میں واحد مثال ہے کہ اس نے جب اس کو [illegible] دولت کا ضیاع دیکھا تو اختیار کر کے چھوڑ دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس دور پہ نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
دنیا کی کہانی یاد رہی اپنا فسانہ بھول گئے

اغیار کا جادو چل بھی چکا ہم ایک تماشا بن بھی گئے
دنیا کو جگانا یاد رہا، خود ہوش میں آنا بھول گئے

تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

دنیا کا گھر آباد کیا عقبیٰ کا مگر برباد کیا
مشکل میں خدا کو یاد کیا مشکل ہوئی آساں تو بھول گئے

منہ تو دیکھ لیا آئینے میں داغ نہ دیکھا سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں کہ مرنے کو مسلماں بھول گئے

ان اشعار کو نقل کرنے میں بھی شیرن خاں کے اشعار کی طرح غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ کچھ عرصہ ہوا کہ کسی رسالہ میں یہ اشعار اپنی اصلی حالت میں چھپے ہوئے بھی نظروں سے گزرے تھے، میں تصحیح اس لئے نہیں کر رہا کہ میں جس دور کی یہ باتیں کر رہا ہوں چاہتا ہوں کہ وہ اصلی شکل میں ہی قارئین کے سامنے پیش ہو۔

اور علامہ انور صابری کی آواز سے آشنا اس طرح تھا کہ ہمارے مدرسہ میرے شاد کے حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے حالات سے باخبر رہنے اور روز کی روز تازہ بہ تازہ خبریں سننے کیلئے ایک ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ کیونکہ اخبار اس دیہاتی ماحول میں کبھی کبھار ہی دستیاب ہوتا تھا اور وہ بھی زیادہ تر پرانا۔ اس وقت تک وہاں بجلی نہ آئی تھی اور ریڈیو غالباً بیٹری سے ہی چلتا تھا۔ ہفتہ میں ایک دن، عشاء کے بعد ریڈیو مصر سے تلاوت قرآن مجید نشر ہوتی تھی (اب تو سنا ہے کہ مصر نے ایک مستقل اسٹیشن ہی تلاوت کیلئے بنا دیا ہے جہاں سے ۲۴ گھنٹے قرآن نشر ہوتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم) تلاوت والے دن طلبہ کو بھی حضرت مہتمم صاحب کے کمرے میں جا کر تلاوت سننے کی اجازت ہوتی تھی اور میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک دن اسٹیشن سیٹ کرتے کرتے ایک ایسا اسٹیشن لگ گیا جس پر کوئی مشاعرہ نشر ہو رہا تھا۔ حضرت مہتمم صاحب وہاں کچھ دیر کیلئے رکے۔ اس کے شاعروں میں ایک نام علامہ انور صابری صاحب کا بھی تھا۔ ان کا کلام سنا۔ کلام تو اب یاد نہیں بس آخری شعر کا یہ ٹکڑا یاد ہے کہ "انور او صابری"

قصہ کوتاہ یہ کہ گئے تھے ایک شاہ جی کی زیارت کیلئے اللہ نے دو بزرگوں کی زیارت کرا دی۔ اسی مجلس میں "حافظ جی" یعنی حضرت مولانا سید عطاء المنعم رحمہ اللہ کی بھی زیارت ہوئی۔ وہ ہاتھ میں قلم و قرطاس لئے ان دونوں بزرگوں کی خاص خاص باتیں قلم بند کرنے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ صابری صاحب نے اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سا کلام وہاں سنایا۔ ایک نعت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں سنائی تھی جو اب تو اگرچہ عام ہو گئی ہے لیکن میں نے پہلی دفعہ خود صابری صاحب کی زبان سے بخاری دربار میں ہی سنی تھی۔ غالباً مطلع یہ تھا......

سیرتِ یزداں صورتِ آدم
صلی اللہ علیہ وسلم

حافظے کا میں چونکہ بہت ہی کمزور ہوں اس لئے اس وقت سے لیکر اب تک اس نعت کا بس صرف یہی ایک شعر یاد چلا آرہا ہے۔ اگرچہ اب تو کئی دفعہ یہ نعت، پاکستانی نعت خوانوں سے سن بھی چکا ہوں لیکن یاد اب بھی بس یہی ایک شعر ہے۔

الغرض دوسری زیارت جانشینِ امیرِ شریعت (رحمہما اللہ) کی مجھے اس نورانی ماحول میں ہوئی۔ اس دفعہ بھی بات بس زیارت تک ہی رہی وہ بھی ضمنی۔

قیامِ ملتان کے دوران ہم نے اور بھی بہت کچھ دیکھا۔ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کی مسجد سراجاں کی شبہائے رمضان کی رونق دیکھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم (جو قاسم العلوم ملتان کے مہتمم تھے) وہ ایک مسجد میں فجر کی نماز کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے، انکا وہ درس سنا۔ قلعہ کے مزاروں پر شرک صریح ہوتا بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک ملنگ کو نماز والا پورا سجدہ، مزار کو کرتے دیکھا۔ بالکل یہی شرک حضرت نظام الدین اولیاء بستی نظام الدین دہلی (انڈیا) کے مزار پر بھی ہوتے دیکھا۔ منگھو پیر کراچی کے مزار پر تو مجھے اتنی وحشت ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا، اس لئے وہاں تو سکون سے فاتحہ بھی نہ پڑھ سکا۔ یہ عقدہ ابھی تک نہیں کھل سکا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی زیارت اس دوران کیسے رہ گئی؟ شاید وہ ملتان سے باہر ہوں، ایک اور بزرگ تھے نام انکا غالباً حضرت مولانا عبد المالک یا عبد الملک تھا۔ ان کی زیارت کو بھی گئے۔ انہوں نے میرے استاد محترم جناب قاری فرید الدین صاحب کو ایک کتاب دی، اس میں کوئی عربی عبارت تھی، غالباً ازراہِ تواضع فرمایا کہ اس پر مجھے اعراب لگا دیں تاکہ میں آسانی سے پڑھ سکوں۔

جب ہم ملتان پہنچے تھے تو اسی مسجد میں جس میں ہم نے قرآن مجید سننا سنانا تھا اتفاق سے دو بزرگ قیام پذیر تھے۔ ایک حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب جو داعیٔ کبیر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (بانی تبلیغی جماعت) کے ملنے والوں میں سے تھے اور ان کے زمانہ سے ہی اس تبلیغی کام سے وابستہ تھے اور دوسرے ان کے چھوٹے بھائی جنکا نام اب یاد نہیں رہا۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے بعد بھی چونکہ یہ دونوں بزرگ دس بارہ دن وہاں تشریف فرما رہے اس لئے ان کی خدمت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا کافی موقع ملا۔

شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ عجیب ہنس مکھ مزاج کے آدمی تھے. ہنستے ہنساتے اور چٹکلوں نیز چٹکیوں میں ہی حکمت و دانائی کی بڑی بڑی باتیں کر جایا کرتے تھے۔ ان کی مجالس جہاں وعظ و تبلیغ اور رشد و ہدایت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی تھی وہاں باغ و بہار بھی ہوتی تھی۔ چند چٹکلے ان مجلسوں کے مجھے بھی یاد رہ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنے قارئین کو بھی سناتا جاؤں۔

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے "تمہیں الف، بے، تے، ثے، آتی ہے؟" میں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا۔ "ذرا سناؤ۔" میں نے سنانا شروع کیا جب "دال" پر پہنچا تو فرمایا "کونسی دال؟، ماش کی، مسور کی، چنے کی؟" میں پریشان ہو گیا کہ ان میں سے تو یہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مجھے پریشان دیکھا تو فرمایا "لکھو! لکھنے پڑھنے والی "د" پھر فرمایا! "اچھا بتاؤ، تم گندا کام تو نہیں کیا کرتے؟" میں نے خلاف واقعہ کہہ دیا کہ "نہیں" فرمایا۔ "کیا پیشاب، پاخانہ نہیں کیا کرتے؟" میں پہلے سے بھی زیادہ پریشان ہو گیا کہ اب تو چوری پکڑی گئی اور جھوٹ بھی ثابت ہو گیا۔ فرمایا، "لکھو! وہ تو میں اپنے سے گندگی دور کیا کرتا ہوں گندا کام تھوڑا کیا کرتا ہوں۔"

ایک دن فرمایا: "تمہاری شادی ہوئی ہے؟ میں نے عرض کی کہ "نہیں" فرمایا "کیا مجھ سے مل کے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" میں نے کہا: "ہوئی ہے"۔ فرمایا: "تو شادی کا معنی، خوشی ہی تو ہے"۔

ایک دفعہ فرمانے لگے: "اگر ہم تمہارے ہاں آئیں تو تم ہمیں کیا کھلاؤ گے؟" میں نے کہدیا: "جو آپ کھائیں گے۔" فرمایا: "شامی کباب کھلاؤ گے؟" میں چکرا گیا۔ کیونکہ بلامبالغہ میں اس وقت تک شامی کباب سے واقف نہ تھا۔ نہ ان کی شکل دیکھی تھی نہ اس وقت تک کھایا تھا بلکہ شاید نام بھی آج پہلی دفعہ ہی سن رہا تھا۔ ملک شام کا نام میں جانتا تھا۔ میں یہ سمجھا کہ "شامی کباب" وہ ہوتے ہیں جو ملک شام سے منگوائے جاتے ہیں۔ اس لئے میں چکرایا کہ شام سے کون منگوائے گا یہ کباب؟۔ مجھے حیران دیکھا تو فرمایا: "لکھو! جو اللہ تعالیٰ دے گا وہ کھلاؤ نگا۔"

ایک دن سر پر تیل لگوا رہے تھے۔ استاد محترم جناب قاری فرید الدین صاحب مدظلہ سے پوچھا کہ "قاری صاحب! سر پر تیل کیوں لگواتے ہیں؟" حضرت الاستاد مدظلہ نے اس کے طبی فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا "تروتازگی اور طراوت وغیرہ کیلئے۔" فرمایا: "نہیں قاری صاحب۔ بلکہ تیل اس لئے لگواتے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

ایک دن مجھ سے پوچھا: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا بیت اللہ؟ میں نے اس کا جواب دیا تھا جو، اب یاد نہیں۔ پتہ نہیں وہ جواب صحیح تھا یا غلط۔ اگر صحیح بھی تھا تو محض اتفاق ہی تھا کیونکہ مجھے اس وقت تک اس سوال کا جواب معلوم نہ تھا۔ لیکن حضرت نے اس پر مجھے شاباش دی اور اپنے چھوٹے بھائی صاحب سے فرمایا: "اسکو مٹھائی دو"۔ انہوں نے مجھے ڈبے سے برفی نکال کر دی۔ (معلوم رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی کل مخلوق سے حتیٰ کہ کعبۃ اللہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہیں (دیکھو شامی وغیرہ کتاب الحج)

انہی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم کا ایک چٹکلہ میرے ایک ہم سبق نے سنایا کہ ایک دفعہ ہم خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت نے فرمایا: "بریلوی غالی ہیں اور غیر مقلدین خالی ہیں (یا اسکا الٹ فرمایا۔ اب مجھے صحیح طرح یاد نہیں۔ لیکن اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ ان دونوں فرقوں میں سے ایک کو غالی اور دوسرے کو خالی فرمایا) حاضرین میں سے کسی نے پوچھا اور ہم؟ فرمایا تم عالی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ باتیں اصل موضوع سے اگرچہ غیر متعلق تھیں لیکن چونکہ کام کی تھیں اس لیئے ذکرِ ملتان کی مناسبت یہاں میں نے ذکر کر دیں۔ اب پھر ہم اپنی بات پر آتے ہیں۔

۳۔ تیسری مرتبہ جانشینِ امیر شریعت (رحمہم اللہ) کو کراچی مدرسہ نیوٹاؤن میں اس وقت دیکھا جب ان کی جوانی ڈھل چکی تھی، ڈاڑھی میں سفید بال آ چکے تھے۔ یہاں تو انکا کوئی بیان ہونا یاد نہیں البتہ اس وقت کی ڈرگ کالونی اور اب کی فیصل کالونی کی اس مسجد میں جہاں اب جامعہ فاروقیہ قائم ہے (اس وقت ٹین کی چھت والی صرف مسجد ہوتی تھی) رات کئی گھنٹے انکا خطاب ہوا۔ میں وہاں بھی پہنچا اور خطاب سنا تھا لیکن کوئی بات یاد نہیں۔ اتنا یاد ہے کہ شاہ صاحب، مال گاڑی کے انجن کی طرح گرم تو دیر سے ہی ہوئے تھے لیکن جب گرم ہو گئے تھے تو پھر نہ کوئی چھوٹا اسٹیشن دیکھا تھا نہ کوئی بڑا، نہ کوئی جنکشن نہ کوئی سگنل۔ پھر ٹھنڈے مشکل سے ہی ہوئے تھے۔

۴۔ چوتھی دفعہ اسلام آباد میں انکی زیارت اس وقت ہوئی جب وہ بالکل ہی سفید ریش بزرگ بن چکے تھے۔ ٹی اینڈ ٹی کالونی کی مسجد الفتح میں بیان تھا۔ میں بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ بیان کیا تھا۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ بات سے جو بات نکلتی تو کہیں کی کہیں جا پہنچتی۔ میں پہلی بات یاد دلاتا کہ حضرت وہ بات رہ گئی۔ پھر وہاں سے شروع ہو جاتے۔ دو چار دفعہ میں نے ایسی یاد دہانی کرائی جس سے ساری ہی باتیں مکمل ہوتی رہیں تو بہت خوش ہوئے۔ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے بڑی توجہ سے سن رہے ہو۔

اسی تقریر میں بتلایا کہ "شاہ است حسین و بادشاہ است حسین" والی رباعی جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، بالکل غلط ہے، یہ رباعی ان کی نہیں بلکہ ملا معین کاشانی ہروی سبائی تبرائی رافضی کی ہے۔ پھر لوگوں سے یہ نام انہی لاحقوں کے ساتھ کئی دفعہ کہلایا۔ میرے منہ سے ہروی (ہ کی زبر) کی بجائے ہروی (ہ کی زیر کے ساتھ) نکل گیا تو وہیں اصلاح فرمائی کہ یہ ہروی (ہ کی زبر کے ساتھ) ہے ہرات کی طرف منسوب ہے جسکی "ہ" پر زبر ہے نہ کہ زیر۔ پھر اسی وزن پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے یہ اشعار سنائے۔

برفلکِ عدل مہر و ماہ ست غنی
شاہ ست غنی، بادشاہ ست غنی
چوں جامعِ مصحفِ الٰہ ست غنی
دین است غنی، دین پناہ ست غنی
ہم زلفِ علی و خالوئے حسنین
فردوسِ دل و خلدِ نگاہ ست غنی
صدیق و عمر بہرِ دین سقف و عماد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باب است علی، شہر پناہ ست غنی

سرداد نہ داد دست در دستِ یہود

حقا کہ نشانِ لا الہ ست غنی

پھر ملا معین کی رباعی میں "حقا کہ بناء لاالہ ست" میں اور "حقا کہ نشانِ لاالہ ست" میں فرق بیان فرمایا اور بتلایا کہ اوّل غلط ہے ثانی صحیح۔ تقریر سے فراغت کے بعد انُ کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھانے کی سعادت بھی ملی۔ وہاں بھی بہت سے علمی نکات بیان فرمائے۔ جو کاغذات میں کہیں لکھے ہوئے ہوں گے اس وقت انکو تلاش نہیں کر سکا۔

۵۔ ان کی پانچویں اور آخری زیارت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن مدظلہ کی وساطت سے نشتر ہسپتال ملتان میں اس وقت ہوئی جب وہ فالج زدہ ہو کر وہاں زیر علاج تھے۔ پوری طرح باتیں نہ کر سکتے تھے لیکن جب میں رخصت ہونے لگا تو مجھے خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ لہذا انکا خوب دفاع کیا کرو، معاویہ، نام عام کرو۔" اس بارے میں جانشینِ امیر شریعت کے اس اہتمام اور انہماک کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ساری جماعت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے صحابی ہیں جن سے بیگانے تو ناخوش ہیں ہی اپنے بھی خفا ہیں۔ بیگانوں نے اگر ان کے بارے میں حق و انصاف کا خون کیا ہے تو اپنوں نے بھی انصاف کی بجائے بس کچھ رعایت ہی انکو بمشکل دی ہے، چنانچہ ان کے حق میں بیگانوں کی کہی ہوئی، "ظالم، کافر، منافق، باغی، طاغی، خاطی، عاصی، آثم، جائر، لم یکن علی الرشد، نافرمانی، گناہ اور اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب" جیسی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں اپنوں نے پھر صرف چھوٹوں نے نہیں بلکہ بڑے بڑوں نے ان کے حق میں نہ کہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع جتنا ضروری اور اہم ہے اس سے کہیں زیادہ دشوار بھی ہے۔ اسی تلخ اور دلخراش صورت حال کی وجہ سے جانشینِ امیرِ شریعت کو ان کے دفاع کا یہ اہتمام تھا اور بالکل بجا تھا۔ اپنوں کی بے حسی، جمود اور بیگانوں کی ہمنوائی کی صورت اگر یہی رہی تو دنیا ایک دن جانشینِ امیر شریعت کو دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ضرور یاد کرے گی اور ان کی اس بات کی صداقت بھی ضرور دیکھ لے گی۔ خود انہی کے شعر کے مطابق

روئیں گے یاد کر کر کے اہلِ نظر

کارنامے ہم ایسے بھی کر جائیں گے

خدا کی کروڑ بار رحمتیں نازل ہوں ان کے مزار پر انوار پر۔

© rasailojaraid.com